اسرارِ کائنات

۸:۹۴۷

انور

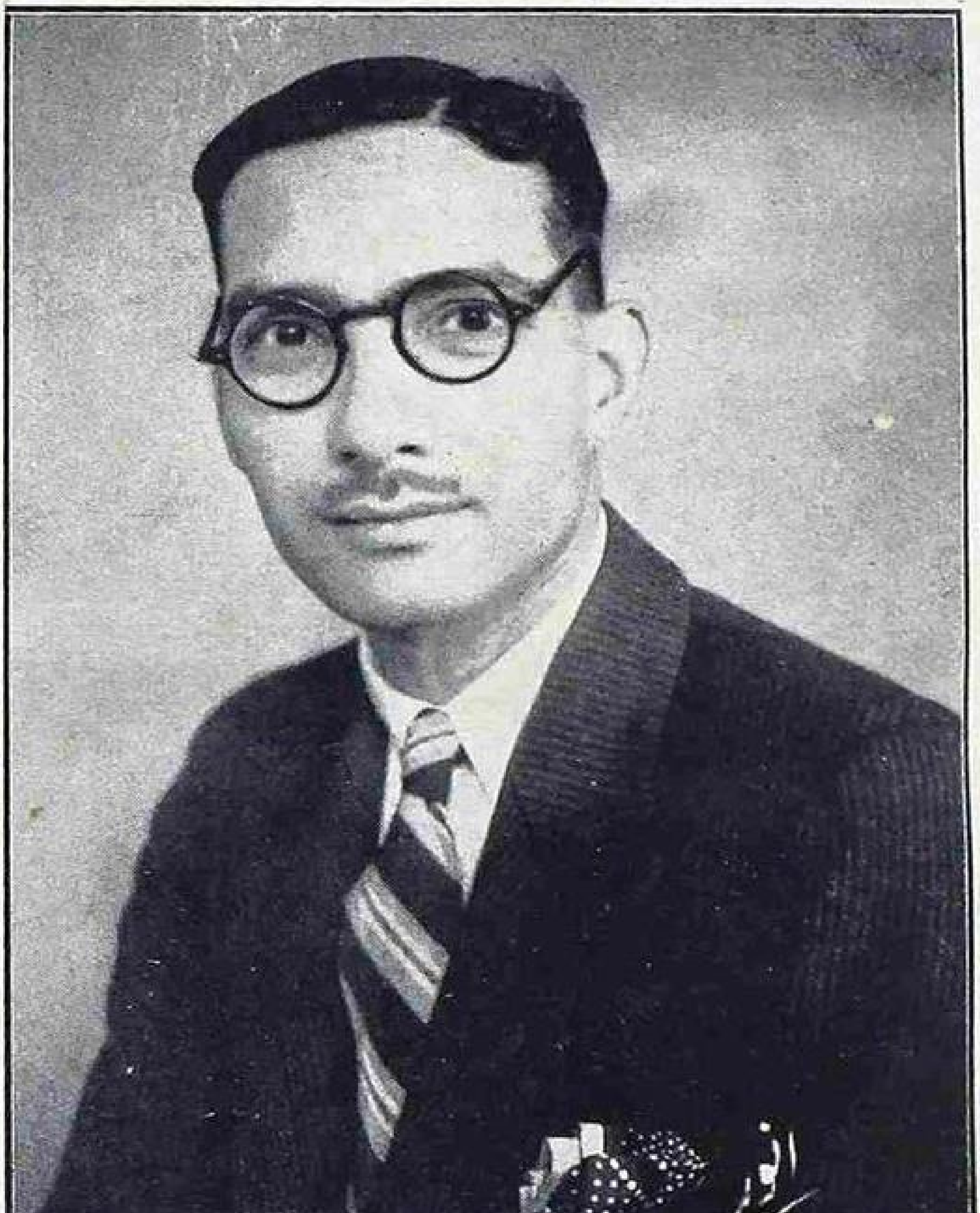
انور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسرارِ کائنات

کہہ جاتا ہوں میں زورِ جنوں میں ترے اسرار
مجھ کو بھی صلہ دے مری آشفتہ سری کا

(اقبالؒ)

(شہرۂ آفاق روسی مفکر جناب طالسطائی کے ایک شاہکار سے متاثر ہو کر)

انور

قیمت ایک روپیہ

اشاعت اوّل ۱۹۴۱ء

ایک ہزار

(کاپی رائٹ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نذر

خلوصِ دل سے میں مثنوی اسرارِ کائنات حضور نواب

سر محمد شاہنواز خان صاحب بہادر والئے ممدوٹ کی خدمتِ عالی

میں پیش کرتا ہوں۔

ع - بگیر از کفِ درویش این نکاتِ غریب!

خورشید انور جیلانی

بی ۔ اے ۔ ایل ۔ ایل ۔ بی ۔

فیروزپور شہر

۳۰ ۔ اگست سنہ ۱۹۴۰ء

تصحیح

صفحہ	نمبر مصرعہ	غلط	صحیح
۱۶	۱	مں	ہیں
۲۶	۱۱	ہیں	ہی
۳۸	۱	کاٹل	کاملؔ
۴۱	۵	مستت	مست
۹۴	۱۱	میں	ہیں
۵۹	۵	دھے	ڈھے
۶۹	۷	تیرا	ترا
۷۴	۱	صفار	صغار
۱۰۰	۱	پپہ	پہ
۱۰۲	۳	پھر اسکے سامعین بھی مسجود ہو گئے	سب سامعین محو مسجود ہو گئے

۷۸۶

فہرست

۱۔ فرمان

۲۔ نافرمانی

۳۔ گزارش

۴۔ تعمیل

۵۔ اُمید

۶۔ لغزش

۷۔ مراجعت

۸۔ تلقین

۹۔ عروج

۱۰۔ غیب

۱۱۔ بیانِ حال

۱۲۔ افشائے راز

۱۳۔ دعا و عطا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مثنوی

اسرارِ کائنات

فرمان

جس دن سے برقرار خدا کی خدائی ہے
لازیب جسم و رُوح کی قسمت جدائی ہے
پیدا جو ہو گیا اُسے مرنا ہے ایک دن
آخر فنا کی رہ سے گزرنا ہے ایک دن

انجمن تر
(ہن

ہر آدمی کو سانس ملے ہیں شمار کے
چلنا ہے سب نے وقتِ مُعیّن گزار کے

اِس زندگی میں موت کا پیغام ہے اٹل
کِس کو مجال عذر ہے آتی ہی جب اجل

جو وقت جس کے واسطے تحریر ہو گیا
عین اس گھڑی وہ موت کا نخچیر ہو گیا

اُس وقت ایک لمحہ کی فرصت نہ مل سکی
اِک اور سانس لینے کی مہلت نہ مل سکی

موقوف کچھ نہیں ہے حسینؑ و یزید پر
یہ تیغ چل کے رہتی ہے حبل الورید پر

پینا پڑا ہے خادم و آقا کو جامِ موت
سُننا پڑا ہے شاہ و گدا کو پیامِ موت

اِس دہر میں کسی کو میسّر نہیں بقا
ہر زندگی کو اُس کے اشارے سے ہے فنا
اِک دن خدا نے یہ ملک الموت سے کہا
بس آج اِختتام ہے زینب کی عُمر کا
تم اس کی جاں کنی کا کرو جلد اِنصرام
کام اُس کا عین وقتِ مقرر پہ ہو تمام
یہ سُن کے اس نے ایک ملک سے کیا خطاب
جا برق بن کے جانبِ روئے زمیں شتاب
زینب کو حکمِ رب سے پلا ساغرِ فنا
اور اس کی جاں نکال کے عرشِ بریں پہ لا

نافرمانی

دنیا کو شاہِ شرق نے بیدار کر دیا
تیرہ جہاں کو عالمِ انوار کر دیا
نورِ سحر میں ڈوبی ہوئی کائنات ہے
ہر اک شعاعِ مہر سے پیدا حیات ہے
جاں بخش و جاں نواز ہے بادِ سحر کا دور
دن بھر کے کام کاج ہیں دنیا کے زیرِ غور
دم آسماں پہ ایک طرف توڑتا ہے چاند
رُخ زرد ہو گیا ہے ضیا ہو چکی ہے ماند
رل مِل کے گیت گاتے ہیں طائرِ چمن چمن
اور زمزموں سے مست ہیں زائرِ چمن چمن

کس شان و تمکنت سے واں ہے جلوسِ صبح
رنگینیاں بکھیر رہی ہے عروسِ صبح
نیندوں کے ماتے کروٹیں لیتے ہوئے اُٹھے
بستر مسافر اپنا لپیٹے ہوئے اُٹھے
دنیا و دیں بھی ایک ہوئے مل کے اس گھڑی
یہ اتحاد بھی ہے سحر کی فسوں گری
صحنِ چمن میں شبنمی موتی بکھر گئے
کرنوں سے کھیلتے ہوئے جاں سے گزر گئے
سارے جہاں کا رنگ سنہرا سا ہو گیا
قائم جہاں پہ نور کا پہرا سا ہو گیا
نورِ سحر نے دہر کو مسحور کر دیا
دنیا کے گوشے گوشے کو پُر نور کر دیا

کس کو خبر کہ آج کسے موت آئے گی
کس کو اجل کنارِ لحد میں سلائے گی
ہنگام صبح تھا کہ وہ پیکِ قضا لقب
وارد ہوا زمیں پہ بصد سوز و ساز و تب
دیکھا کہ ایک جھونپڑی جنگل کے پاس ہے
وہ جھونپڑی کہ جس سے فضا بھی اداس ہے
ہنگامِ صبح بھی ہے یہاں شام کا سماں
یہ جھونپڑی ہے کُلفت و آلام کا مکاں
اِس جھونپڑی کے ہیں در و دیوار گھاس پھوس
اس گھاس پھوس میں ہیں پڑے چند اک نفوس
ہمسایہ اس کا ایک شجر ہے کھجور کا
ہمدوش نورِ صبح سے ہے نخلِ طور کا

پہرہ کبھو دیتا ہے انسان کی طرح
در پہ کھڑا ہوا ہے وہ دربان کی طرح

ہے جھونپڑی میں خاک پہ بسترِ بچھا ہوا
بستر کہ خاک سے ہے سراسر اَٹا ہوا

زینب غریب لیٹی ہے اس فرشِ خاک پر
روتی ہے اپنی حالتِ اندوہناک پر

دو بچیاں عطا ہوئیں اس کو گزشتہ رات
اور آج اُس پہ تنگ ہوا عرصۂ حیات

زینب کا حلق خشک زباں میں سکت نہیں
تھپکی بھی اُن کو دے سکے باہوں میں سَت نہیں

اس حال میں فرشتہ قضا کا پہنچ گیا
یعنی سپاہی ربِّ علا کا پہنچ گیا

زینب یہ سمجھی کوئی مددگار آ گیا
اِس بے بسی پہ اس کی اُسے پیار آگیا
اُس کو کہا اشارے سے پانی پلا مجھے
میں مرتی جا رہی ہوں خدارا بچا مجھے
انسان کے عقل و فکر ہیں محدود کس قدر
کیا کیا فریب دیتی ہے انسان کی نظر
وہ زہر ہے کہ جس کو سمجھتے ہیں ہم نبات
وہ موت ہے کہ جس کو سمجھتے ہیں ہم حیات
فکرِ بلند رازِ جہاں کو نہ پا سکی
یہ بات ہر کسی کی سمجھ میں نہ آ سکی
زینب پیامِ موت کو سمجھی پیامِ زیست
اس کو یہ کیا خبر کہ ہوا اختتامِ زیست

اِک ماں کی مامتا کو سمجھتا ہے ماں کا دل
بچوں کی بے بسی پہ تڑپتا ہے ماں کا دل
بچہ ہے بیقرار تو ماں بے قرار ہے
ہر حال میں یہ نورِ نظر پر نثار ہے
حوّا کی بیٹیوں کا محبت فقط جہیز
جھڑکی بھی ان کی نغمہ ہے لوری بھی نغمہ ریز
ناگفتنی مگر یہاں زینبؑ کا حال ہے
اٹھنا تو در کنار سرکنا محال ہے
زینب کا حالِ زار فرشتے نے دیکھ کر
احساسِ بے بسی سے نگوں کر لیا ہے سر
پھر اس سے مسکرا کے کہا بدنصیب سُن!
آفت پڑی ہے تجھ پہ عجیب و غریب سُن!

میں آدمی نہیں ہوں فرشتہ قضا کا ہوں
میں جان لینے والا سپاہی خدا کا ہوں
بھیجا ہے مجھکو حضرتِ پروردگار نے
جاں مانگ لی ہے تجھ سے ترے جانسپار نے
ہشیار ہو! کہ نزع کا عالم بپا کروں
تیار ہو کہ پوری رضائے خدا کروں
کیا بے بسی ہے عالمِ افلاس اور موت!
فاقہ کشی ہے زچگی ہے یاس اور موت!
پیغامِ موت سُن کے وہ حیران ہو گئی
وہ جانکنی سے پہلے ہی بے جان ہو گئی
کہنے لگی کہ دیکھ مرا حالِ زار دیکھ!
میں زچگی کے درد سے ہوں بے قرار دیکھ!

طرّہ یہ اس پہ ابھو کی ہوں میں چار وقت سے
کس سے کہوں نہیں لڑا جاتا ہے بخت سے
شوہر اتر سوں ایک شجر نے دبا لیا
اُس کو نہنگِ موت نے لقمہ بنا لیا
اس دہرِ بے پناہ میں تھا آسرا وہی
بعد از خدا تھا میرا مجازی خدا وہی
کرنے نہ پائی تھی میں ابھی بیوگی کا سوگ
مولا نے مجھ کو بھیج دیا یہ جگی کا روگ
میرا جہانِ آرزو برباد ہو گیا
کروٹ بدل کے ہائے مرا بخت سو گیا
مزدور تھا مگر تھا مرے دل کا بادشاہ
لونڈی اسے سمجھتی تھی اپنا جہاں پناہ

اب میں ہوں اور ہیں یہ مری بچیاں یتیم
اس میں مبالغہ نہیں اے عرش کے ندیم
تو رحم کر کہ اِن کا سہارا نہیں کہیں
ماں کے بغیر ان کا گذارہ نہیں کہیں
لیل و نہار ایک کروں گی تلاش میں
میں جان تک لڑاؤنگی کسبِ معاش میں
اُن کی ہی طرح اِن کو کھلاؤں پلاؤں گی
مشکل میں اِن کو سینے سے اپنے لگاؤں گی
ہے میری زندگی سے فقط ان کی زندگی
حقّا! کہ ان کا پوچھنے والا نہیں کوئی
میں چل بسی تو ان کا ہے پرسانِ حال کون
دنیا میں بے کسوں کا ہے کرتا خیال کون

جینے دے مجھ کو بہرِ خدا چند سال تک
یہ لڑکیاں پہنچ تو لیں اپنے کمال تک
یہ بات کہتے کہتے وہ بے ہوش ہو گئی
آسودگانِ خاک کے ہمدوش ہو گئی
یہ حال سن کے اُڑ گیا وہ پیکرِ قضا
تاکہ کرے بیان خدا سے یہ ماجرا
جاتا تھا وہ خلائے معلّیٰ میں تیرتا
ہو بحرِ بیکراں میں کوئی جیسے پیرتا
دل پہ خدا کی حکم عدولی کا بار تھا
لرزاں خدا کے خوف سے سیماب وار تھا

گزارش

حاضر ہوا حضور میں وہ عزرائیل کے
پرّاں تھے ہوش ختم تھے دعوے دلیل کے

دل میں ہجوم درد تھا انسان کے لئے
چہرے کا رنگ زرد تھا انسان کے لئے

کی عرض گرچہ میں ہوں پشیمانِ خودسری
"منظور ہے گزارشِ احوال واقعی"

تعمیلِ حکم حضرتِ باری نہ ہو سکی
خادم سے آج کارگذاری نہ ہو سکی

جرأت یہ مجھ کو میری حمیت نہ دے سکی
اِک جانِ بے نوا میری غیرت نہ لے سکی

میں یونہی لوٹ آتا مری کیا مجال تھی
زینب غریب درد سے آشفتہ حال تھی
اور اس پہ یہ ستم تھا کہ شوہر نہیں رہا
عورت کی زندگانی کا گوہر نہیں رہا
دو بچیاں ہیں جن کا نہیں کوئی غمگسار
ہوتا تھا دل میں ان کی یتیمی سے انتشار
مر جائے ماں تو ان کا ہے پرسانِ حال کون
مفلس کی بچیوں کی کرے دیکھ بھال کون
یہ حال سن کے اس سے کہا عزرائیل نے
نادم کیا ہے مجھ کو تمہاری دلیل نے
حکمِ خدا کے سامنے حجت نہیں کوئی
تیری دلیلِ خام کی وقعت نہیں کوئی

مخلوق کوئی عذر کرے کیا مجال ہے
احمق یہ احمقانہ تری قیل و قال ہے

تعمیل

اِس گفتگو کو حضرتِ فاطر نے بھی سُنا
عرشِ بریں سے حاظر و ناظر نے بھی سُنا
تھرا گئی زمین فلک کانپنے لگا،
دوزخ کی طرح خلدِ بریں ہانپنے لگا،
پائے بھی عرشِ باری تعالیٰ کے ہل گئے
خوفِ خدا سے ہونٹ فرشتوں کے سِل گئے
غِلمان و حور کانپتے خلدِ بریں میں ہیں
دیکھے ہوئے فلک کے یسار و یمیں میں ہیں

مہر و قمر ہیں ساکت و صامت بجائے خود
قہرِ خدا ہے ایک قیامت بجائے خود

آہ و بکا ہے عالمِ ارواح میں بپا
ہر روح بیقرار ہے سنکر یہ ماجرا

ہے شور الحفیظ! فضائے بسیط میں
طوفانِ اضطراب ہے بحرِ محیط میں

آتش فشاں پہاڑ سے لاوے اُبل پڑے
قعرِ زمیں سے آگ کے چشمے نکل پڑے

بادل گرج رہے ہیں کڑکتی ہیں بجلیاں
تاریک آسماں پہ مسلط ہیں آندھیاں

دوزخ کی آگ تیز ہوئی ہانپ ہانپ کے
طوبیٰ بھی سربسجدہ ہوا کانپ کانپ کر

لیل و نہار محورِ دنیا سے ہٹ گئے
ساتوں جہان قہرِ خدا سے سمٹ گئے
سینہ زمیں کا خوفِ خدا سے ہوا ہے شق
ہے قہرِ ذوالجلال اُلٹنے کو سب طبق
یہ شورِ حشر تھا کہ ندا آئی عرش سے
ہم عذرِ لنگ اپنے فرشتے کا سُن چکے
چون و چرا ہماری خدائی کے باب میں
"گستاخیِ فرشتہ ہماری جناب میں"
بے باک گفتگو ہے ہمارے حضور میں
یہ کیا سمائی اس کے سرِ پُر فتور میں
ہم ربِّ ذوالجلال ہیں شاہوں کے شاہ ہیں
پشتِ پناہ سب کی مگر بے پناہ ہیں

ساتوں جہاں کے خالق و رازق ہمیں تو ہیں
قائم ہے جس سے مغرب و مشرق ہمیں تو ہیں
عاصی کے واسطے ہیں غفور الرّحیم ہم
زاہد کے واسطے ہیں خُدائے کریم ہم
خالق بھی ہم عزیز بھی جبّار بھی ہمیں
غفار بھی سمیع بھی قہار بھی ہمیں
عادل بھی ہم غفور و خبیر و بصیر بھی
وہاب بھی کبیر و ودود و نصیر بھی
خالق بھی ہم ہیں مالکِ ارض و سما بھی ہم
ہادی بھی ہم ہیں واقفِ راہِ ہدیٰ بھی ہم
پیغمبروں کے ہادیٔ مطلق ہمیں تو ہیں
دونوں جہاں کے باعثِ رونق ہمیں تو ہیں

ہم نے ازل کو کُن سے نمودار کر دیا
پیغمبروں کو واقفِ اسرار کر دیا

ہر اک مریضِ غم کا مداوا ہمیں تو ہیں
ہر ناصبورِ دل کا شکیبا ہمیں تو ہیں

جاں بخش بھی ہمیں ہیں ہمیں موت آفرین
اپنی رضا سے بانٹتے ہیں زہر و انگبیں

جس کو ہے عذر اُس کو خلل ہے دماغ کا
ہے باغبان واقفِ اسرار باغ کا

قطع و برید گلشن ہستی کی چاہیئے
کچھ انتہا بھی دہر کی پستی کی چاہیئے

لیکن ہمارے راز ہمارے ہیں راز ہیں
ہم ہی بگاڑتے ہیں ہمیں کارساز ہیں

اب اس کی یہ سزا ہے کہ پر اس کے نوچ لو

انساں کے بھیس میں اسے دنیا میں پھینکدو

تا اس پہ رازہائے دروں آشکار ہوں

انساں کی زندگی کے فسوں آشکار ہوں

اسرار کائنات کو جب تک نہ سیکھ لے

ہرگز یہ آسمان پہ آئے نہ لوٹ کے

ارشاد عزرائیل سے پھر آپ نے کیا

از راہِ لطف بخش دی ہم نے تری خطا

زینب کی جان چشمِ زدن میں نکال لو

جنّت میں اُس کو قصرِ فقید المثال دو

اُمید

گرمی کا دور ہو چکا سردی کا دور ہے
چاروں طرف جہاں کا نقشہ کچھ اور ہے

اب چل رہی ہے برف میں ڈوبی ہوئی ہوا
در گویا زمہریر کے طبقہ کا کھُل گیا

ہر شے پہ کپکپی سی ہے طاری جہان میں
تابش زمین پہ ہے نہ اب آسمان میں

سرما کی دست بُرد سے گلشن اُجڑ گئے
پاؤں جہاں سے موسمِ گُل کے اُکھڑ گئے

شاخوں پہ اب نہیں وہ پرندوں کے چہچہے
صحنِ چمن سے اب نہیں اُٹھتے وہ قہقہے

اُڑتی ہے خاک چاروں طرف بوستان میں
سردی نے جیسی آگ لگا دی جہان میں

کھانے میں کچھ مزا ہے نہ پینے میں کچھ مزا
مرنے میں کچھ مزا ہے نہ جینے میں کچھ مزا

مر جائیے تو غسل سے غسّال کو گریز
جیتے رہیں تو موت ہے آمادۂ ستیز

بامِ فلک سے برف برستی ہے رات دن
سردی ہے اور نار برستی ہے رات دن

ہے سطحِ آب برف کا تختہ بنی ہوئی
اور ہے زمیں پہ کہر کی چادر تنی ہوئی

اک کھیل تھا کہ صبح ہوئی شام ہو گئی
بارہ بجے ہی دھوپ لبِ بام ہو گئی

یہ دور تھا کہ شہر سے کچھ دور گاؤں میں

یعنی سلیم پور کی سادہ فضاؤں میں

اِک جھونپڑی میں درزی و درزن مقیم ہیں

گاؤں کے ایک کونہ میں گوشہ نشین ہیں

وہ جھونپڑی کہ جا گزیں جس میں ہیں دو بشر

چوپائے بھی نہ کر سکیں اس میں کبھی بسر

سوراخ چھت میں موریاں دیوار و در میں ہیں

لیٹے ہیں گھر میں چاند ستارے نظر میں ہیں

تنّور کے کنارے گزرتی ہے اِن کی شب

اللہ کے سہارے گزرتی ہے ان کی شب

بے بستر و لحاف گزرتی ہیں سردیاں

فاقوں سے ان کے چہروں پہ چھائی ہیں زردیاں

فاقوں سے دونو درزی و درزن نحیف ہیں
یہ نوجوان وقت سے پہلے ضعیف ہیں
درزی کو ڈھونڈنے پہ بھی روزی نہیں نصیب
ہے جورِ آسماں کا ستایا ہوا غریب
وہ کام کاج ڈھونڈ کے لاتا بھی ہے اگر
دو چار پیسے مر کے کماتا بھی ہے اگر
دونو کا پیٹ بھرتا نہیں اس کمائی سے
محروم اتنی ٹھنڈ میں بھی ہیں رزائی سے
اک صبح سو کے اٹھے تو درزن نے یہ کہا
کاہل خدا کے واسطے تو شہر تک تو جا
کرتی رہی ہوں خرچ کفایت سے صبح و شام
مشکلوں سے میں نے بچائے ہیں چند دام

جا اور جا کے ایک رزائی خرید لا
اِن سردیوں میں ہو چلی ہے زندگی فنا
مریم سے جب یہ بات سنی وہ اچھل پڑا
آنکھوں سے شادمانی کا چشمہ اُبل پڑا
کہنے لگا کہ اے مری مریم وفا شعار
اب کیوں نہ آئے تیرے سلیقہ پہ مجھ کو پیار
تو میری جاں نثار ہے تو بُرد بار ہے
اس بھوک پیاس میں بھی کفایت شعار ہے
گو پیٹ بھر کے دونو کو کھانا نہیں ملا
پانی جو مل گیا ہے تو دانہ نہیں ملا
دو چار پیسے تھے مری محنت کی کائنات
ہنس ہنس کے کاٹتی رہی تو کلفتِ حیات

تو نے تو خار زار کو گلشن بنا دیا
صحرا کو اپنے نور سے ایمن بنا دیا

اس جھونپڑی میں روشنی تیرے ہی دم سے ہے
اس گھر میں چاندنی ترے فیضِ قدم سے ہے

کامل یہ تو نے اپنی جوانی نثار کی
دامن میں کیفیت ہے ہوائے بہار کی

عورت ہی جان سکتی ہے اسرار کائنات
عورت کے دم سے پھولتا ہے گلشنِ حیات

یہ حور بن کے مرد کو بہلائے جاتی ہے
دوزخ کو اپنے سائے سے جنت بناتی ہے

فطرت کی شاہ بیت ہے قدرت کی شاہکار
قربانیوں کے واسطے ہر دم ہے بے قرار

اس کے ہی دم سے مرد کی آنکھوں میں نور ہے
اس کے ہی دم سے مرد کے دل میں سرور ہے

مردوں کی رازداریاں عورت پہ ختم ہیں
ساری وفا شعاریاں عورت پہ ختم ہیں

خواہر کے روپ میں اسے بھائی سے برتری
دختر کی ہو سکی نہ پسر سے برابری

ماں بن گئی تو جنت الفردوس کو ہے رشک
لب پہ دعائے خیر ہے آنکھوں میں ہے سرشک

شوہر کی جاں نثار وفادار خادمہ
ہر وقت بہر کار ہے تیار خادمہ

دولت کا دور ہے تو جہانگیر بن گئی
افلاس میں وفاؤں کی تصویر بن گئی

اِس کے ہی مدرسے سے نکلتے ہیں بادشاہ
پلتی ہے اس کی گود میں ہی قوم کی سپاہ
نازک کلائیوں میں ہے فولاد کی لچک
اس کے ہی دل میں دردِ محبّت کی ہے کسک
چاہے تو اپنی قوم کو معراج بخشدے
چاہے تو اک غلام کو یہ تاج بخشدے
اس کے بغیر کوئی سیاست نہ چل سکی
اس کے بغیر ملک سے آفت نہ ٹل سکی
ہاں رازدارِ فطرتِ انساں بھی تو ہے
دنیا کے کارواں کی حدی خواں بھی تو ہے
مُردوں میں روح پھونکنا اسی کا ہی کام ہے
جاں بخش و جاں نوازِ اسی کا پیام ہے

المختصر جہان کو سنبھالے ہوئے ہے یہ

انسانیت کو گود میں پالے ہوئے ہے یہ

کاملؔ نے پھر کہا مری مریم مری نگار

میں تیری بھوک پیاس سے ہوتا ہوں شرمسار

کیا حسرتیں نہاں ہیں دلِ بے قرار میں

اے کاش راحتیں ہوں مرے اختیار میں

دنیا کی سب خوشی ترے قدموں پہ ڈال دوں

میں مفلسی کو تیرے حرم سے نکال دوں

ہوتی نہیں ہیں کوششیں ہی میری بارور

تو جانتی ہے کتنی دعائیں ہیں کارگر

میں ورنہ تجھ کو راج کراتا جہان میں

رانی بنا کے تجھ کو بٹھاتا مکان میں

اس جھونپڑی میں رہ کے بھی مجھکو یقین ہے
بعد از خدا ہے تو ہی کہ جو دل نشین ہے
اے میرے دل کے نور میری زندگی کی جان
اے میری روح تو ہی فقط ہے میرا جہان
تو نے لگائے اپنی محبّت میں چار چاند
اے میرے آفتاب ہو تجھ پر نثار چاند
تو میرے پاس ہے مرا افلاس کچھ نہیں!
میں بادشہ ہوں گرچہ مرے پاس کچھ نہیں
در کھل گئے ہیں آج تو عرش مجید کے
لا دام اب کے لاؤں رزائی خرید کے
مریم یہ بولی لومڑی جاکٹ پہن کے جاؤ
اللہ کرے کہ خیر سے تم جلد لوٹ آؤ

لغزش

گاؤں سے چل کے شہر کو کائل رواں ہوا
کہتا تھا دل میں آج خدا مہرباں ہوا
نقدی کی پوٹلی کو محبت سے چوم کر
گاتا تھا وہ وفورِ مسرّت سے جھوم کر
"ہوتی ہے مجھ پہ بارشِ اکرام اِن دنوں
دم توڑتی ہے گردشِ ایام اِن دنوں"
خوشیوں کے جوش میں وہ اچھلتا ہوا چلا
پاؤں کی جوتیوں کو بدلتا ہوا چلا
داخل ہوا جو شہر میں دل بے قرار تھا
آیا وہ وقت جس کا بہت انتظار تھا

دیوانہ وار شہر میں وہ گھومنے لگا
ہر چیز کو نگاہ سے وہ چومنے لگا

دل کش لباس نور میں ڈھالے ہوئے بدن
ہر شخص پہ نثار قیامت کا بانکپن

ہر شے لبھا رہی ہے بلاتی ہے بار بار
ہر چیز پہ ہے قلبِ حزیں اس کا بقرار

ہر شے کے واسطے اسے پھسلا رہا ہے دل
بے چارگی نے کر دیا ہے اس کو مضمحل

رہ رہ کے کھا رہا ہے اُسے مفلسی کا رنج
اے کاش اس کے ہاتھ لگے مال و زر کا گنج

بیٹھا وہ اک مقام پہ جب خوب تھک گیا
تھا اپنے کاروبار پہ افسوس کر رہا

وہ کام کیا جو خواہشیں پوری نہ کر سکے
وہ کام کیا کہ جی سکے انسان نہ مر سکے
اے کاش وہ بھی ہوتا جہاں میں اگر امیر
بازار میں دکان سجاتا وہ بے نظیر
کی سامنے نگاہ تو مخمور ہو گیا
بوئے شرابِ ناب سے مسرور ہو گیا
کرتے ہیں رند بادہ کشی جھوم جھوم کر
پیتے ہیں ایک جام کو سو بار چوم کر
ساقی کی بات بات پہ مستی نثار ہے
ہر رندِ بیقرار کی ہستی نثار ہے
ساقی نظر فریب ہے بادہ نظر فریب
اور رند ہیں دعائے مجسّم اثر فریب

ہر چیز کیفِ بادہ پرستی سے چور ہے
ہر رِند کی نگاہ میں مستی کا نور ہے

ساقی کا ہر غلام ہے مصروفِ نا و نوش
دنیا کی فکر ہے نہ یہاں آخرت کا ہوش

بادہ فروش بادہ فروشی میں مست ہے
چہرے پہ مسکراہٹیں ساغر بدست ہے

یہ میکدہ ہے جس پہ برستی ہیں مستیاں
اور محوِ میکشی ہیں یہاں چند ہستیاں

دل مست، آنکھ مست، نظر مست ہے یہاں
ہر رند کی دعا کا اثر مست ہے یہاں

کامل یہ حال دیکھ رہا ہے بحالِ زار
اور دل بغل سے کہتا ہے اس کو یہ بار بار

Anjuman-e-Taraqqi-e-Urdu (India)
انجمن ترقی اردو (ہند)

مدت کے بعد شہر میں آیا ہے پی بھی لے
دو چار لمحے عیش و مسرت کے جی بھی لے

یہ وقت یہ فضا نہیں آتے ہیں بار بار
پی لے اتار دے گی غم و رنج کا خمار

فکرِ معاش و فکرِ جہاں سے نجات ہو
رنگین ایک بار تو تیری حیات ہو

وہ پوٹلی ٹٹول کے مسرور ہو گیا
احساس مفلسی کا بہت دور ہو گیا

دل میں امنگ اٹھی پھر اٹھتے ہی گر گئی
آنکھوں کے سامنے کوئی تصویر پھر گئی

پھر میکدے سے جام کھنکتے ہوئے سنے
پھر پوٹلی کے دام کھنکتے ہوئے سنے

بولی ہوس کہ پی بھی لے کم بخت پی بھی لے
تقدیر نے دیا ہے تجھے یہ وقت پی بھی لے
یہ میکدہ، یہ مے ہے یہ ساقی یہ جام ہے
یہ وہ مقام ہے کہ جہاں غم حرام ہے
اور حسنِ اتفاق سے رکیسے میں دام ہیں
عیش و نشاط آج تو تیرے غلام ہیں
رنج و الم کو گھول کے ساغر میں پی بھی جا
خوشیوں کو ناپ تول کے ساغر میں پی بھی جا
وہ بک رہی ہے آتشِ سیّال سامنے
جا کر خرید رکھا ہے وہ مال سامنے
انگڑائی لے کے اٹھا وہ اپنے مقام سے
تا کہ ہو مستفید صراحی سے جام سے

انگیٹھیوں کی آگ سے کمرہ ہے گرم گرم
رکھے ہیں کوچ اُن پہ گدیلے ہیں نرم نرم
ساقی کو دیکھتے ہی وہ مسرور ہو گیا
مجبور تھا وہ اور بھی مجبور ہو گیا
جو کچھ گرہ میں دام تھے ساقی کو دیدئے
نکلا سُبو کدے سے مے آتشیں پیئے
نشہ میں وہ ہوا کو بھی دیتا ہے گالیاں
سب اس کو دیکھ دیکھ بجاتے ہیں تالیاں"
مریم کو غائبانہ بلاتا ہوا چلا
بکواس اپنی سب کو سُناتا ہوا چلا
ناداریوں کو گالیاں دیتا ہے دو بدو
دولت ہے دست بستہ کھڑی اس کے رُوبرو

چہرہ ہے سرخ پاؤں میں لرزہ دہن میں لو
سر میں فتور دل میں نشہ آنکھ میں لہو
گاؤں کی راہ اس کے قدم لے گئے اُسے
مریم کا جس طرف تھا حرم لے گئے اُسے
گاؤں کے پاس پہونچا تو سورج بھی ڈھل گیا
کچھ کم ہوا جو نشّہ تو نقشہ بدل گیا
طاری ہوا جو نشّہ پہ عالم زوال کا
آیا خیال مریمِ آشفتہ حال کا
ہائے رزائی بن نہ سکی سوچتا تھا وہ!
رہ رہ کے فرطِ یاس سے سر نوچتا تھا وہ
رنگت سیاہ ہو چلی ہے آسمان کی
چونک اُٹھا جب صدا سُنی اس نے اذان کی

مغرب میں شاہِ شرق کا اِس دم ورود تھا
مسجد میں تھا یہ وقت رکوع و سجود کا
کچھ غور و فکر سے اُسے معلوم ہو گیا
وہ شام کی نماز سے محروم ہو گیا
حسرت سے اُس نے جانبِ مسجد نگاہ کی
دو چار بار آہ کی اور گھر کی راہ لی
وہ ڈر رہا تھا اُس کو نمازی نہ دیکھ پائیں
نفرت سے کوئی حرفِ ملامت نہ منہ پہ لائیں
ہر شخص سے وہ آنکھ بچاتا ہوا چلا
چوروں کی طرح جسم چراتا ہوا چلا
لیکن نماز ہو چکی تھی آ رہے تھے لوگ
اور اپنے اپنے گھر کی طرف جا رہے تھے لوگ

کامل کو اک نظر میں وہ پہچان ہی گئے
مخمور ہے شراب میں وہ جان ہی گئے
نفرت سے اس کو دیکھ کر کہتے تھے بار بار
درزی سے یہ امید نہ تھی ہم کو زینہار
کھانا تو پیٹ بھر کے میسّر نہیں اُسے
پیسے کہاں سے مل گئے پینے کو واسطے
پی کر یہ بد معاش ستایا کرے گا اب
اوروں کو بھی یہ راہ دکھایا کرے گا اب
ہم کو تو اس نے موردِ الزام کر دیا
سارے سلیم پور کو بدنام کر دیا
اب اس سے میل جول ہے ٹیڑھا معاملہ
اب اس سے کوئی گاؤں میں رکھے نہ واسطہ

مصروف تھے یہ لوگ اسی قیل وقال میں
کافل تڑپ رہا تھا گناہوں کے جال میں
وہ دل میں کہہ رہا تھا خدایا تیری پناہ
میں ہوں گنہ گار مرے بخش دے گناہ
گھبرا رہا ہے آج شامتِ اعمال نے مجھے
بدنام کردیا ہے مرے حال نے مجھے
کیا آج دوں گا مریمِ معصوم کو جواب
انبار اس کے میری خطائیں ہیں بیحساب
اس فکر میں نگاہ اچانک جو اُٹھ گئی
دیکھا تو ایک شکل بھیانک نظر پڑی
مسجد کے ساتھ مشرقی دیوار سے لگا
اک نوجواں ہے ننگا دھڑنگا پڑا ہوا

کوئی لباس اس پہ نہیں سر سے پاؤں تک
مڑ مڑ کے لوگ دیکھتے جاتے ہیں گاؤں تک

سارے بدن پہ ابھری ہوئی نیل گوں نسیں
سردی کے مارے ٹھٹھری ہوئی جسم کی رگیں

اس حالِ زار پہ کوئی کھاتا نہیں ترس
اس پہ نمازیوں کو بھی آتا نہیں ترس

انسانیت کے سارے بھروسوں کو توڑ کر
سب اپنی گردنوں کو رعونت سے موڑ کر

مسجد سے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے
اک رات بھی اماں کی اس کو نہ دے سکے

یہ قوم خور ظاہرہ ہیں قوم کے بزرگ
انساں نہیں ہیں جامۂ انسانیت میں گرگ

اک فردِ قوم کو یہ سہارا نہ دے سکے
حق سے ثوابِ رحم و محبت نہ لے سکے

در اصل دردِ دل ہی عبادت خدا کی ہے
یہ فیضِ کردگار ہے رحمت خدا کی ہے

ہر دردمند دل پہ خدا مہرباں ہے
یہ دردِ دل ہی اصل میں انساں کی جان ہے

انساں ہزار سال عبادت کیا کرے
دل اس کا صبح و شام ریاضت کیا کرے

ہر سانس اس کا گزرے رکوع و سجود میں
اور زندگی بسر ہو مقامِ شہود میں

ذکرِ خدا کے واسطے گو زندگی ہو وقف
ہر ایک سانس خواہ کرے بندگی میں صرف

گر اس کے دل کو درد کی لذت نہیں ملی
گر اس کو رحم و لطف کی نعمت نہیں ملی

محروم ہے رضائے خدا سے وہ بد نصیب
ہرگز نہ جانئے اُسے اللہ کے قریب

انسان زندگی میں ہے انسان کی دوا
یہ وہ دوا ہے جس سے ملی رُوح کو شفا

بے دردِ دل عبادتیں مکاریاں فقط
مکاریوں کے واسطے ہیں خواریاں فقط

دھوکہ ہے یہ خدا سے سراسر فریب ہے
یہ وہ فراز ہے کہ جو یکسر نشیب ہے

ایسا نشیب قعرِ مذلت کہیں جسے
ایسا فراز کوہِ ملامت کہیں جسے

کامل نے اس کو غور سے دیکھا تو بار بار
سُننے نہ دی نشہ نے اُسے قلب کی پُکار
نفرت سے دُور دُور وہ ہٹتا چلا گیا
یعنی وہ راہِ حق سے بھٹکتا چلا گیا
وہ دِل سے کہہ رہا تھا کہ اس کو نہ چھیڑ تو
"تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو"
لیکن ندائے دل نے اُسے روک ہی دیا
انسانیت نے بڑھ کے اُسے ٹوک ہی دیا
دل نے کہا یہ بے رُخی واجب نہیں تجھے
یوں گھر کو لوٹ جانا مناسب نہیں تجھے
دِل کی تڑپ سے اس کے قدم ڈگمگا گئے
یہ نور تھا کہ چودہ طبق جگمگا گئے

یہ درد وہ ہے نورِ خدا جس کا نام ہے
اس درد کا تو عرش پہ بھی احترام ہے
جنّات کے خمیر میں یہ نور ہی نہیں
کرّوبیاں کا ہائے یہ مقدور ہی نہیں
یہ نور ہے کہ جس سے بشر کو ملا شرف
یہ نور دُر ہے اور ہے انساں کا دل صدف
کاملؔ کے قلب میں تھی اسی درد کی کسک
آنکھوں میں اُس کے آگئی اس نور سے چمک
دم بھر میں اس پہ بارشِ اکرام ہو گئی
مانوس اُس سے گردشِ ایّام ہو گئی
وہ ابر وار جھوم رہا تھا سُرور سے
دل جگمگا رہا تھا محبت کے نُور سے

دیوانہ وار آگیا وہ اجنبی کے پاس
حالت کو اس کی دیکھ کے وہ ہوگیا اُداس
وہ خوبرو جوان بظاہر تھا تندرست
سردی سے جسم زار مگر ہوگیا تھا سُست
کامل کو دیکھ کے وہ ذرا مسکرا دیا
اور اس نے اس کو دے کے سہارا اُٹھا دیا
دستار اپنی باندھ کے اس کی کمر سے جھٹ
پہنائی اس کو پیار سے پھر اپنی واسکٹ
بازو پکڑ کے اس کو کہا میرے ساتھ چل
بیٹھی ہے تری ناک میں کھولے وہاں اُچل
افسوس تجھ میں طاقتِ گفتار بھی نہیں!
اور جسمِ زار پر ترے اک تار بھی نہیں

حاضر ہوں میں اگرچہ بہت ہی غریب ہوں
کسبِ معاش میں، میں بہت بدنصیب ہوں

تو میرے دل کو دیکھ میری مفلسی نہ دیکھ
حسرت سے بار بار مِری سادگی نہ دیکھ

افلاس سے اگرچہ بہت شرمسار ہوں
لیکن میں ہر طرح سے ترا جانثار ہوں

آہستگی سے دونو بغل در بغل چلے
مسجد سے دُور گاؤں کی جانب نکل چلے

مراجعت

مریم نے دن گزار لیا انتظار کا
دل میں خیال پھرنے لگا غمگسار کا
رخصت کے وقت سے تھی سراپا وہ انتظار
تکتی تھی راہ وہ درِ خانہ سے بار بار
وہ سوچتی تھی اب تو کہیں آ رہا ہے وہ
اور شہر سے لحاف نیا لا رہا ہے وہ
ہم آج گہری نیند سرِ شام سوئینگے
سردی کے مارے رات کو اٹھ اٹھ کر نہ روئیں گے
فرشِ زمیں کو جھاڑ کے بستر بچھاؤں گی
پاؤں کی سمت اس پہ رضائی لگاؤں گی

پھر یک بیک خیال ہوا دل میں جاگزیں
دن ڈھل چکا ہے وہ نظر آتا نہیں کہیں

روٹی پکا چکی ہوں میں پانی بھی بھر چکی
اپنی قمیص کی بھی مرمت میں کر چکی

سوئی قمیص میں وہ کبھی ٹانک کر اٹھی
روزن کے پاس بیٹھی کبھی جھانک کر اٹھی

دن چھپ گیا تو اور پریشان ہو گئی
اس غیر حاضری پہ وہ حیران ہو گئی

وسواس اس کو آ کے ستانے لگے ہیں اب
دل میں خیال اور ہی آنے لگے ہیں اب

اوہام نے دماغ پر قبضہ جما لیا
بربادیوں کا اک نیا نقشہ دکھا دیا

وہم و گماں کی یورشیں عقل و خرد پہ ہیں
ہوش و حواس صید کی مانند زد پہ ہیں

دل اس کو کہہ رہا ہے خدا خیر ہی کرے
یہ وقت ہو گیا ہے خدا خیر ہی کرے

اس نے کہیں نہ کھوئیے ہوں دام شہر میں
پھرتا نہ ہو وہ بے بس و ناکام شہر میں

اتنے میں اس کو پاؤں کی آہٹ سنائی دی
وہ منتظر تھی جس کی وہ صورت دکھائی دی

کامل کو دیکھتے ہی وہ مسرور ہو گئی
تکلیف انتظار کی سب دور ہو گئی

لیکن وہ خالی ہاتھ ہے لایا نہیں لحاف
مریم نہ کر سکے گی کبھی یہ خطا معاف

وہ ڈر رہی تھی جس سے وہی بات ہو گئی
وہ کہہ رہی تھی جاگ کے تقدیر سو گئی

اُمید نے جو قصر بنایا تھا شام تک
حسرت نے جو چمن سا سجایا تھا شام تک

وہ قصر ڈھے گیا وہ چمن سا اُجڑ گیا
دم بھر میں آرزوں کا نقشہ بگڑ گیا

اتنے میں گھر پہنچ گئے وہ دونو راہ سے
مریم نے اُن کو دیکھا غضب کی نگاہ سے

غصے کے مارے لال بھبھوکا وہ ہو گئی
تصویر رنج و غم کی سراپا وہ ہو گئی

رنج و الم کے جوش میں وہ کانپنے لگی
پیدا ہوئی جو دل میں تپش ہانپنے لگی

کامل سے اس نے طنز سے پھر یوں کیا خطاب
فرمائیے کہاں رہے اس وقت تک جناب!
بندی یہ پوچھتی ہے اگر ہو خطا معاف
آخر حضور کیوں نہیں لائے مرا لحاف
یہ کس کو ساتھ لائے ہو یہ کون شخص ہے
کہتا ہے دل ضرور کوئی اسمیں نقص ہے
کیا اس کا کوئی ٹھور ٹھکانا نہیں رہا
کیا اس پہ مہربان زمانہ نہیں رہا
ہم اس پہ مہربان ہوں ایسے کہاں کے ہم
ہم اس کے میزبان ہوں ایسے کہاں کے ہم
کھانا تو پیٹ بھر کے میسّر نہیں ہمیں
محفوظ گھر نہیں کہ سر اپنا چھپا سکیں

دستار اِس کو بخشدی جاکٹ عطا ہوئی
ننگے ہوئے ہیں آپ سخاوت یہ کیا ہوئی
اس حال میں ہیں سوجھتی مہماں نوازیاں،
اللہ تیری شان! یہ بندوں کی شیخیاں،
منہ سے کچھ اور واہی تباہی نکل گیا
ان چٹکیوں نے اس کا کلیجہ مسل دیا
وہ تلملا کے کہنے لگا میری بات سُن
افسوس ناک ہے یہ بہت واردات سُن
اتنے میں بُو سی پھیل گئی گھر کے صحن میں
فوراً یہ بات آگئی مریم کے ذہن میں
ڈوبی ہوئی شراب میں بوئے دہن ہے یہ
شرمندگی مٹانے کو سارا جتن ہے یہ

اس واسطے ہی ساتھ یہ لایا ہے اور شخص
ان حرکتوں میں اس کی نکالوں نہ کوئی نقص
تیزی سے پھر وہ کہنے لگی ہاں بناؤ بات
کس سے چھپی ہوئی ہے شرابی کی واردات
غصے میں وہ لپک کے گئی اجنبی کے پاس
کہنے لگی اتار دے جاکٹ ہو تیرا ناس
تو نے اسے خراب کیا ہائے کیا کیا
مجھ پہ نیا عتاب کیا ہائے کیا کیا
کم بخت تیری صحبتِ بد کا یہ ہے اثر
مائل ہوا ہے جو میرا شوہر شراب پر
اس متقی کو تو نے گنہ گار کر دیا
جینا ہمارا آج سے دشوار کر دیا

کامل نے بات کاٹ کر مریم سے یہ کہا
مریم کوئی قصور نہیں اس غریب کا
دراصل یہ تمام مرا ہی قصور ہے
پیدا کیا ہوا یہ مرا ہی فتور ہے
جامِ شراب دیکھ کر للچا گئی نظر
مجھ سے بھی بھول ہو گئی اک بھول ہے بشر
تو نے جو مجھ کو دام دیئے تھے دمِ سفر
میں ان کی پی گیا ہوں خدارا معاف کر
سر مایہ نذرِ ساقی و پیمانہ کر دیا
اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا
گھر کو جب آ رہا تھا میں نشے میں چور تھا
مسجد میرے قریب تھی اور گاؤں دور تھا

بے کس پڑا ہوا تھا یہ مسجد کے پاس ہی
اور ساتھ اس کا چھوڑ گیا تھا لباس بھی

سردی کے مارے بے بس و لاچار تھا غریب
تھا اپنی زندگی سے بھی بیزار بدنصیب

مسجد سے آنے والے حقارت سے دیکھ کے
یکبار اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے

لیکن کسی نے رحم نہ کھایا خدا کی شان
اُس کا کسی نے دُکھ نہ مٹایا خدا کی شان

میرا یہ حال تھا کہ پریشان حال تھا
دل میں خیال تھا تو اسی کا خیال تھا

دل نے کہا کہ ساتھ اسے اپنے لے بھی چل
اس حال میں اسے یہاں کھا جائے گی اجل

اس واسطے میں لیکے اسے ساتھ آیا ہوں

مہماں بنا کے تیرے بھروسے پہ لایا ہوں

اللہ ہی دینے والا ہے اللہ ہے کارساز

لاریب! اس کا رزق بھی دے گا وہ بے نیاز

مریم چمک کے بولی میں اس دل کو کیا کہوں

اپنا یہ حال ہے کہ ہوئی زندگی زبوں

جس دم شرابِ ناب کا نشہ تھا زور پہ

تم نے بھی لات ماردی حاتم کی گور پر

گھر میں تو ایک وقت کا کھانا نہیں نصیب

پانی اگر نصیب ہے دانا نہیں نصیب

اِس مردوئے کو بیٹھ کے کھانا کھلاؤں میں

اِس بدمعاش کے لئے بستر بچھاؤں میں

اس کو کہو کہ میرا سلوک اُوتار دے
میری خطا معاف کرے اپنی راہ لے
کاتل نے یہ سُنا تو پریشان ہو گیا
بیوی کے اس سلوک سے حیران ہو گیا
کہنے لگا کہ خوفِ خدا بھی ہے کوئی شے
بعد از حیات روزِ جزا بھی ہے کوئی شے
مانا کہ ہم غریب سہی بے نوا سہی
مفلس سہی حقیر ذلیل و گدا سہی
لیکن غریب کو ہی غریبوں کا رنج ہے
مفلس کے دل میں دردِ محبت کا گنج ہے
کیا کر رہی ہے دیکھ اے مریم خدا سے ڈر
کچھ قہرِ ذوالجلال سے روزِ جزا سے ڈر

کلمے یہ کیسے تیری زباں سے نکل گئے
زہریلے تیر جیسے کماں سے نکل گئے
ظرفِ بلند ہمّتِ عالی کی ہے دلیل
پروردگار آپ ہی بندوں کا ہے کفیل
بھیجا ہے جس نے اِس کو وہ روزی رساں بھی ہے
رازق بھی ہے جہاں کا وہی غیب داں بھی ہے
نامہرباں بن کے نہ گھر سے اسے نکال
ناراض ہو نہ جائے کہیں ربِّ ذوالجلال
مریم کے دل پہ نامِ خدا کا اثر ہوا
اللہ کا شکر ہے یہ فسوں کارگر ہوا
نامِ خدا کے فیض سے پُرنور دل ہوا
پروانۂ چراغِ سرِ طور دل ہوا

وہ مسکرائی اور گئی اجنبی کے پاس
اور اس سے دست بستہ یہ کی اس نے التماس
بھائی خطا معاف ! یہ میرا قصور تھا
غصہ تھا میرے دل میں خدا مجھ سے دور تھا
مہمان مسکرا دیا یہ شان دیکھ کر
انسان کے لباس میں رحمان دیکھ کر
مریم نے اپنا کھانا پھر اس کو کھلا دیا
تنور کے قریب ہی اس کو سلا دیا

تلقین

گزری ہے رات پھیلا ہے دنیا میں نورِ صبح
مشرق کی وادیوں سے ہوا ہے ظہورِ صبح
مہمان و میزباں ہوئے بیدار صبحدم
اللہ کی جناب میں سر کر دیئے ہیں خم
فارغ ہوئے نماز سے مہمان و میزباں
پوچھا یہ میزباں نے بتا اپنی داستاں
ہے کونسا وطن تیرا نام و نسب ہے کیا
کس کس نے تجھ پہ ظلم کیا ہے مجھے بتا
مہماں نے مسکرا کے کہا اے مرے حبیب
تو بھی غریب ہے ترا مہماں بھی غریب

بے نام و ننگ ہوں مرا کوئی نسب نہیں
اس خانماں خراب کا کوئی لقب نہیں

معلوم اس قدر ہے کہ رحمت ہے میرا نام
اس کے سوا کچھ اور نہیں جانتا غلام

جب تین دن گزر گئے کامل نے یہ کہا
رحمت تمہارے حال پہ رحمت کرے خدا

اللہ کا یہ حکم ہے انسان کے لئے
چھوڑے نہ کوئی راستہ شیطان کے لئے

کچھ کام کرکے کھاؤ کہ تم نوجوان ہو
اپنے لئے کماؤ کہ تم نوجوان ہو

اس زندگی کی روحِ رواں ہے عمل فقط
سچ پوچھیے تو جانِ جہاں ہے عمل فقط

زورِ عمل سے آدمی برتر ملک سے ہے
یہ خاک مرتبہ میں فزوں تر فلک سے ہے
اللہ کی بارگاہ میں ہے کاہلی گناہ
بیکار کو نصیب ہے شیطان کی پناہ
اِک سوۓ ناتمام ہے بے کار زندگی
شیطان کی غلام ہے بے کار زندگی
رحمت یہ سُن چکا تو متانت سے یوں کہا
اے غمگسار تیری نصیحت ہے بے بہا
لیکن میں کیا کہوں کہ بہت شرمسار ہوں
ناکارہ ذلیل ہوں ناکردہ کار ہوں
لیکن جو تو سکھاۓ اُسے سیکھ جاؤں گا
میں کوئی حرفِ عذر زباں پہ نہ لاؤں گا

کامل نے اس کو سینا پرونا سکھا دیا
درزی نے اپنے دوست کو درزی بنا دیا

عروج

دل میں اگر کسی کے ہے کسبِ ہنر کا شوق
حاصل بھی ہو کمال تو تشنہ رہے گا ذوق
منزل بھی اُس کے واسطے اک میلِ راہ ہے
آرام لینا اس کو سفر میں گناہ ہے
تارے بھی آسمان کے وہ توڑ لے اگر
رشتہ بھی آفتاب سے وہ جوڑ لے اگر
اپنی تلاش سے وہ کبھی مطمئن نہیں
آرام چین اس کے لئے رات دن نہیں

محنت ہے قصرِ شوق کی بنیادِ استوار
محنت کے بل پہ آدمی ہوتا ہے کامگار
محنت ہے جلوہ گر کبھی فرہاد کی طرح
محنت ہے کارگر کبھی فریاد کی طرح
محنت سے خوش جہان بھی راضی خدا بھی ہے
یہ دردِ زندگی کی دوا بھی ہے دعا بھی ہے
یہ وہ بلا ہے دشت وجبل کو اُکھاڑ دے
شیروں کے دل میں پنجۂ فولاد گاڑ دے
رحمت نے ذوق شوق سے سیکھا تمام کام
محنت جو کی تو اس کا ہُنر ہو گیا غلام
ہر وقت اس کو سینے پرونے سے کام تھا
مصروف اپنے کام میں وہ صبح و شام تھا

ناکارہ شخص باعث امداد ہو گیا
شاگرد وجہِ نازشِ اُستاد ہو گیا

اس کے ہنر کی دھوم ہے قرب و جوار میں
چرچا ہے اس کے فن کا صغار و کبار میں

دو چار سال ہی میں وہ خوشحال ہو گئے
فضلِ خدا سے صاحبِ اقبال ہو گئے

اب مفلسی کا رنج نہ فاقہ کشی کا رنج
رحمت نے گویا کھول دیا ان پہ بابِ گنج

تھی جھونپڑی جہاں وہاں پختہ مکان ہے
پہلو میں اس مکان کے ان کی دوکان ہے

غیبت

اِک دن دُکاں پہ آیا علاقہ کا ذیلدار
نوکر پیادہ اور وہ گھوڑے پہ تھا سوار
کامل دکاں میں جھک گیا تعظیم کے لئے
باہر وہ آیا دوڑ کے تقدیم کے لئے
بارُعب ذیلدار نے درزی سے یہ کہا
دیکھو میاں خلیفہ یہ کپڑا ہے بے بہا
ریشم ہے بیس گز یہ قمیصوں کے واسطے
آتا ہے چین سے یہ سمندر کے راستے
پرسوں تک اس کی مجھ کو قمیصیں بنا کے دو
عمدہ ہو بخیہ نقص کوئی کاٹ میں نہ ہو

رحمت تھا اپنے کام میں مشغول اس قدر
اس بات چیت کی نہ اسے تھی کوئی خبر
لیکن کسی خیال سے وہ چونک سا گیا
حیرت سے ذیل دار کو وہ دیکھنے لگا
دیکھا پھر اس کو غور سے اور مسکرا دیا
حیرت میں حاضرین تھے یہ ماجرا ہے کیا
رخصت ہوا امیر تو کامل نے یوں کہا
رحمت مری مدد کرو اس کام میں ذرا
دشوار ہے بہت ہی مرے واسطے یہ کام
ممکن نہیں کہ کر سکوں میں اس کا انصرام
مجھ کو یقیں ہے تم اسے آساں بناؤ گے
یعنی ہنروری کے وہ جوہر دکھاؤ گے

عش عش پکار اٹھے جو دیکھے تمہارا کام
رحمت تمہارے نام سے روشن ہے میرا نام
یہ بیس گز ہے پانچ قمیصوں پہ بانٹ لو
اللہ کا نام لے کے اسے کاٹ چھانٹ لو
رحمت نے سن کے بات یہ کپڑا اٹھا لیا
چادر کی طرح اپنے مقابل بچھا لیا
قینچی اٹھا کے ہاتھ میں وہ سوچتا رہا
دانتوں سے نچلے ہونٹ کو وہ نوچتا رہا
آنکھیں ہیں بند اور ہے پیشانی پہ شکن
گویا کسی خیال میں بیٹھا ہے وہ مگن
بیٹھا رہا وہ بے حس و حرکت اِسی طرح
کامل نے چاہا اس کو بلائے کسی طرح

جب دوپہر ڈھلی تو وہ بیدار ہو گیا
بیہوشیوں کو چھوڑ کے ہشیار ہو گیا
کپڑے پہ چاک سے وہ لگاتا نہیں نشان
قینچی سے اس کو کاٹنے لگتا ہے بے تکان
کاملؔ یہ دیکھ دیکھ کے حیران ہو گیا
رحمت سا عقلمند بھی نادان ہو گیا
وہ کہہ رہا تھا یہ تو نہیں پیرہن کی کاٹ
اللہ بچائے صاف ہے یہ تو کفن کی کاٹ
اس شخص نے تو مجھ کو پریشان کر دیا
بیٹھے بٹھائے مفت میں نقصان کر دیا
ہائے یہ قینچی اس کی نیا گل کتر گئی
عزت بنی بنائی میری سر بسر گئی

کیا خاک منہ دکھاؤں گا میں ذیلدار کو
آتا نہیں ہے چین دل بیقرار کو
رحمت خدا کی مار ہو تم پر یہ کیا کیا
کم بخت تو نے کیا یہ کفن سا بنا دیا
رحمت نے مسکرا کے کہا ہاں کفن تو ہے
مطلوبِ ذیلدار یہی پیرہن تو ہے
اتنے میں ایک آدمی آیا دکان میں
اور جھک کے اس نے یوں کہا کامل کے کان میں
نکلا جو ذیلدار تمہاری دکان سے
بجلی قضا کی اس پہ گری آسمان سے
کچھ دور جا کے راہ میں گھوڑا بدک گیا
سردار کو زمین پہ اس نے پٹک دیا

اُس سے لگام چھوٹ گئی اضطراب میں
پاؤں نہ کوئی جم سکا اس کا رکاب میں
گرتے ہی جان اس کے بدن سے نکل گئی
فصلِ بہار جیسے چمن سے نکل گئی
سردار نی نے بھیجا ہے مجھ کو تمہارے پاس
مرحوم کو نہیں رہی اب حاجتِ لباس
کپڑا جو دے گئے تھے قمیصوں کیواسطے
جلدی سے اس کا مجھ کو کفن سی کے دیجئے
رحمت تو پہلے سی ہی رہا تھا یہ پیرہن
تیار ہو گیا تو اُسے دے دیا کفن

بیانِ حال

رحمت خموش رہتا تھا اس حادثہ کے بعد
اکثر وہ مسکراتا تھا اس سانحہ کے بعد
اب وہ ہر ایک شخص کو مرغوب ہو گیا
سارے سلیم پور کا محبوب ہو گیا
ہر فرد اس کو دیکھتا ہے احترام سے
عزّت ہے اس کی گاؤں میں بڑھ کر امام سے
کامل پہ اس کی ذات کا اک رعب چھا گیا
مریم کو اس نے اپنا پجاری بنا لیا
دو سال آگئے اور زمانہ نکل گیا
ہر چیز کا جہان میں نقشہ بدل گیا

اِک دن کا ذکر ہے کہ شہنشاہِ خاوری
نکلا تھا کر و فر سے فلک پہ ابھی ابھی
کرنوں کی برچھیاں رگِ ظلمت پہ تھیں رواں
تاریکیوں کو چار سو ملتی نہ تھی اماں
خاتون ایک ایسے میں آئی دکان میں
جس کی نظیر مل نہ سکے گی جہان میں
شرم و حیا سے نیچی نگاہیں کئے ہوئے
دو لڑکیوں کو گود میں اپنے لئے ہوئے
دونو کی عمر ایک ہے دونو کی شکل ایک
جیسے کہ پھول دو ہیں مگر ان کا نخل ایک
نوکر نے سر پہ کپڑوں کی گٹھڑی اٹھائی ہے
دکّاں پہ پارچات سلانے وہ آئی ہے

کامل بٹھا رہا ہے اُسے اہتمام سے
اور اس سے کہہ رہا ہے بڑے احترام سے
فرماؤ آج کس طرح آنا ہوا ہمیں
خادم کو کیوں نہ گھر ہی پہ بلوا لیا ہمیں
رحمت کی لڑکیوں پہ نظر جم کے رہ گئی
اُٹھی جو ایک بار وہیں تھم کے رہ گئی
وہ لڑکیوں کو دیکھ کے حیران ہو گیا
کیا جانئیں کس لئے وہ پریشان ہو گیا
کامل کو وہ جواب بھی دینے نہ پائی تھی
آرام سے وہ سانس بھی لینے نہ پائی تھی
کامل کی بات کاٹ کر وہ پوچھنے لگا
اے نیک بخت! تجھ کو سلامت رکھے خدا

کیا باپ بچیوں کا بقیدِ حیات ہے
کیا وہ اسیرِ زندگیٔ بے ثبات ہے

کیوں بچیوں کی تم سے شباہت ہے مختلف
تم ان کی ماں ہو یا تمہیں نسبت ہے مختلف

خاتون نے یہ سن کے کہا "بھائی کیا کہوں
حکمِ خدا کے سامنے ہے میرا سر نگوں

ان بچیوں کا قصہ بہت دردناک ہے
دل میرا پارہ پارہ جگر میرا چاک ہے

چھ سال ہو گئے ہیں کہ میں غم نصیب ہوں
خوشیوں سے دور رنج و محن سے قریب ہوں

یہ بچیاں کہ دیکھ رہے ہو یتیم ہیں
مرہونِ رحم و لطفِ خدائے کریم ہیں

تم سے کہوں میں انکی یتیمی کی شان کیا
تم سے کروں میں انکی مصیبت بیان کیا

جب پیٹ میں تھیں باپ اسیرِ فنا ہوا
کتمِ عدم میں ان کو یتیمی ہوئی عطا

مزدور باپ ان کا سراسر غریب تھا
دنیا میں وہ بچارہ بہت بدنصیب تھا

دنیا میں ایک بیوی تھی بس اس کی غمگسار
اس کے سوا نہ اس کا کوئی ہمنشیں نہ یار

ماتم کے تین دن بھی گزارے نہ تھے ابھی
اس زچگی کی کوفت سے وہ بھی گزر گئی

ہمشکل ہیں جبھی کہ یہ توام ہیں بچیاں
دنیا میں اور ایسی بہت کم ہیں بچیاں

اِن بچیوں کا کوئی خدا کے سِوا نہ تھا
زیرِ سپہر ان کا کوئی آسرا نہ تھا
پیدا ہوئیں تو ماں ہوئی رخصت جہان سے
جب پیٹ میں تھیں باپ گیا اپنی جان سے
یہ رو رہی تھیں جھونپڑی میں بھوک پیاس سے
اور اتفاق سے میں گزرتی تھی پاس سے
دیکھا تو ماں ہے مُردہ بلکتی ہیں بچیاں
ہونٹوں پہ دم ہے اور سسکتی ہیں بچیاں
درد ان کا میرے دل میں شرر ریز ہو گیا
نُورِ خدا سے دل مِرا لبریز ہو گیا
دل مجھ سے کہہ رہا تھا کہ بن بے بسوں کی ماں
دنیا سے کوچ کر گئی ان بے کسوں کی ماں

میں نے اٹھا کے سینے سے ان کو لگا لیا
ایک ایک دودھ دونوں نے منہ میں دبا لیا

زندہ تھے ان دنوں مرے شوہر بھی خیر سے
میں نے سنایا حال جب وہ آئے سیر سے

جنت میں آج میرا رفیقِ حیات ہے
چھ سال ہو گئے ہیں مگر کل کی بات ہے

سب کچھ ہمارے پاس تھا نورِ نظر نہ تھا
اس زندگی کے نخل میں کوئی ثمر نہ تھا

وہ بچیوں کو دیکھ کے مسرور ہو گئے
دل پہ جو غم کے داغ تھے کافور ہو گئے

پھر جا کے ان کی ماں کو کر آئے سپردِ خاک
جنت میں ان کی روح کو جا دے خدائے پاک

یہ سال بھر کی تھیں کہ جدا وہ بھی ہو گئے

آسودۂ دیارِ فنا وہ بھی ہو گئے

فضلِ خدا سے ان کی بہت جائداد ہے

ان کی وصیت اب بھی مجھے خوب یاد ہے

زہرہ یہ بچیاں مِری وارث جہاں میں ہیں

تو غم نہ کر کہ پھول ترے گلِستاں میں ہیں

یہ کہتے کہتے زہرہ کے آنسو نکل پڑے

آنکھوں سے اس کی خون کے چشمے اُبل پڑے

رحمت نے مسکرا دیا سُن کے یہ حالِ زار

گویا وہ سن رہا تھا کوئی نغمۂ بہار

کامل کو اس نے اور پریشان کر دیا

پیدا دل و دماغ میں ہیجان کر دیا

وہ دل میں سوچتا تھا یہ کیوں مسکرا دیا
رونے کا تھا مقام مگر اس نے کیا کیا
جب بھی یہ مسکرایا عبث مسکرایا ہے
میری سمجھ میں تو نہیں یہ راز آیا ہے
کامل سے ضبط ہو نہ سکا بے دھڑک کہا
حمت کچھ اپنا راز خدا را ہمیں بتا
چھ سال سے مقیم ہو میرے مکان میں
کیا انقلاب تھے کہ نہ آئے جہان میں
لیکن تمہارے حال میں آیا نہ انقلاب
لمحہ بہ لمحہ بڑھتا رہا میرا اضطراب
افسوس میں تمہاری حقیقت نہ پا سکا
کوشش کے باوجود یہ دولت نہ پا سکا

آئے ہو جب سے گھر میں ہمارے خموش ہو
انسان ہو کے غافلِ فردا و دوش ہو
کل سے غرض تمہیں نہ شکایت ہے آج سے
واقف نہ ہو سکا ہیں تمہارے مزاج سے
دنیا میں کیا کہیں بھی تمہارا وطن نہیں
کیا بلبلِ خموش کا کوئی چمن نہیں
آئے ہو جب سے لوٹ کے جانا قسم ہوا
مِلنا مِلانا ہنسنا ہنسانا قسم ہوا
دل میں کوئی ملال نہ دنیا کی فکر ہے
لب پہ کبھی نہ خویش و اقارب کا ذکر ہے
البتہ مسکراتے رہے ہو کبھی کبھی
دیوانگی دکھاتے رہے ہو کبھی کبھی

آخر کچھ اپنا راز مجھے بھی بتاؤ تم
کچھ زندگی کا حال مجھے بھی سناؤ تم
کامل جو چپ ہوا تو خموشی سی چھا گئی
رحمت کی بات سننے کو مریم بھی آ گئی

افشائے راز

رحمت کے رخ پہ ایک تغیّر سا آ گیا
جیسے وہ کوئی کھوئی ہوئی چیز پا گیا
چہرہ پہ اس کے کھیلتی ہیں شادمانیاں
رگ رگ میں اسکی دوڑ رہی ہیں جوانیاں
کامل سے یوں خطاب کیا اے عزیز سن!
اللہ اور بھی کرے وافر تمیز سن!

ہے اصل میں خدا کا فرشتہ یہ خاکسار
نوعِ ملائکہ میں تھا اک دن مرا شمار
ارواح قبض کرنا مرا فرضِ عام تھا
میرے سپرد کام یہی صبح و شام تھا
اک دن میں آسمان سے آیا جہان میں
دلچسپ باب ہے یہ مری داستان میں
خاتون اک جہاں میں تھی زینب تھا جس کا نام
رہتا ہے اس کا نام مجھے یاد صبح و شام
یہ حکم تھا کہ میں کروں زینب کی روح قبض
تیغِ قضا سے کاٹ دوں میں زندگی کی نبض
وہ ایسی بدنصیب تھی جس کی نہیں مثال
تھا اس کی جھونپڑی میں برستا غم و ملال

شوہر کی موت سے وہ سراسر نڈھال تھی
تصویرِ رنج و غم تھی سراپا ملال تھی
یہ دو نو بچیاں کہ جو زہرہ کے پاس ہیں
یہ جن کو دیکھ دیکھ کے ہم تم اداس ہیں
پیدا ہوئی انھیں قدرتِ حق سے گزشتہ رات
زینب پہ اور تنگ ہوا عرصۂ حیات
زینب کے جب سرہانے میں پہنچا تو کیا کہوں
حالِ زبوں نے کر دیا میرا بھی سرنگوں
ان تین ہستیوں کا نگہباں کوئی نہ تھا
ان بیکسوں کا دہر میں پرساں کوئی نہ تھا
میں سوچتا تھا کس طرح زینب کی جان لوں
کیا ربِّ ذوالجلال کا فرمان مان لوں

اِن بچیوں کو کون سنبھالے گا بعد میں
ہے کون جو یتیموں کو پالے گا بعد میں
زینب کی موت کو میں سمجھتا تھا انکی موت
بے ماں کے میں سمجھتا تھا ہو جائینگی یہ فوت
واپس چلا گیا میں اُسے زندہ چھوڑ کر
قہرِ خدا نے نوچ لئے میرے بال و پر
انسان بنا کے دہر میں پھینکا گیا مجھے
یعنی ملی یہ میری خطا کی سزا مجھے
تھا حکم مجھ کو سیکھوں میں اسرارِ کائنات
کیا باعثِ وفات ہے کیا باعثِ حیات
صد شکر آج ختم ہوئی میری تربیت
صد شکر میں نے جان لی انسان کی صفت

یہ سچ ہے کہ مُسکرایا ہوں میں صرف چار بار
ہر بار رازِ نو کوئی ہوتا تھا آشکار

کامل میرے معلّمِ اوّل تمہیں تو ہو
دکھلائی جس نے راہ وہ مشعل تمہیں تو ہو

مسجد کے پاس درسِ محبت دیا مجھے
غربت میں تم نے گوہرِ حکمت دیا مجھے

گوہر کہ جسکی عرشِ بریں پہ بھی دھوم ہے
جو رشکِ آفتاب ہے رشکِ نجوم ہے

گوہر یہ میں نے تیری محبت سے پا لیا
یہ راز جب میں جان گیا مُسکرا دیا

مریم میری معلّمِ ثانی جہاں میں ہے
اس کا بھی رنگِ حُسن میری داستاں میں ہے

کھایا تھا اس نے رحم مرے حالِ زار پر
اس نے کرم کیا تھا مرے انتشار پر

درسِ کرم ملا مجھے مریمؑ کی ذات سے
یہ نور جلوہ گر ہوا غصہ کی رات سے

یہ راز جب میں جان گیا مسکرا دیا
اللہ نے مجھ کو دوسرا گوہر عطا کیا

پھر ذیلدار آیا تمہاری دکان میں
اس کی حیات شمعِ سحر تھی جہان میں

تھا اس کے ساتھ ساتھ ہی میرا رفیقِ کار
لیکن پیامِ موت سے غافل تھا ذیلدار

معلوم مجھ کو ہو گیا اللہ ہے غیب دان
یہ وہ صفت ہے جس سے کہ محروم ہے جہان

اللہ نے میری آنکھ سے پردہ اٹھا دیا
یہ راز جب میں جان گیا مسکرا دیا
زہرہ جب آج آئی تو سب راز کھل گئے
غفلت کے داغ اسکی محبت سے دھل گئے
ہر شخص کی ضرورتوں کا وہ کفیل ہے
محبت ہے میرے پاس نہ کوئی دلیل ہے
جب اللہ سے بچیاں محروم ہو گئیں
میں نے کیا خیال کہ مظلوم ہو گئیں
میں ان کے رنج میں ہوا جاتا تھا مضمحل
موجود تھا جہاں میں مگر دردمند دل
جس نے اٹھا کے سینے سے ان کو لگا لیا
یہ غیر تھیں مگر انہیں اپنا بنا لیا

لاریب وہ جہان کا پروردگار ہے
ہر ایک آدمی کا وہی غمگسار ہے
اللہ نے مجھے یہ کرشمہ دکھا دیا
یہ راز جب میں جان گیا مُسکرا دیا

دعا و عطا

یہ کہہ کے اس نے دستِ دعا کر دیئے بلند
کہنے لگا کہ اے میرے آقائے دلپسند
تو ربِّ پاک ذات ہے آمرزگار ہے
تو ربِّ ذوالجلال ہے پروردگار ہے
آقا! سمجھ میں آگئے اسرار کائنات
مولا! سمجھ میں آگئی سو بات کی یہ بات

انسان کے قلب و جاں میں ودیعت ہے تیرا نور
سارے جہاں میں تیری محبت کا ہے ظہور

اس نور ہی سے آدمی برتر ملک سے ہے
اس ذرہ کا وقار فزوں تر فلک سے ہے

وہ دل کہ جس میں نورِ محبت ہے جلوہ گر
ہوگا نہ اس پہ آتشِ دوزخ کا کچھ اثر

یہ نور تیرا نور ہے تیرا ظہور ہے
جس دل میں ہے یہ نور وہ قندیلِ طور ہے

معلوم مجھ کو ہو گئی انسان کی سرشت
لکھی ہے تو نے اس کی محبت سے سرنوشت

انسان کیمیائے محبت سے رشکِ زر
جن و ملک سے بزمِ جہاں میں بزرگ تر

انسان کو یہ فوق محبت کے بل پہ ہے
جاری اسی کا حکم ہے جو کوہ و تل پہ ہے
اک دردِ دل سے اشرف مخلوق بن گیا
پروردگار! یہ ترا معشوق بن گیا
رکھتے ہیں اپنے دل میں یہ اک دوسرے کا درد
یہ درد سب کے دل میں ہے عورت ہو یا کہ مرد
یہ دردِ دل سے نور کے سانچے میں ڈھل گیا
ذرہ تھا آفتاب سے آگے نکل گیا
آقا سمجھ گیا ہوں محبت ہے تیرا نور
روشن اسی سے تو نے کیا تھا چراغِ طور
انساں کی اس صفت سے میں غافل تھا اے خدا
میں بیوقوف تھا ہوئی مجھ سے بڑی خطا

جس دل میں تیرا نورِ محبّت ہے ضو فگن
وہ دل فنا سے دور ہے اے ربِّ ذوالمنن
معلوم ہو گیا ہے مجھے تو غیب دان ہے
محرومِ علمِ غیب سے سارا جہان ہے
طالب ہوں ذوالجلال میں تیری پناہ کا
کفّارہ دے چکا ہوں میں اپنے گناہ کا
میں پُرخطا ہوں صاحبِ جود و سخا ہے تُو
میں قطرۂ ضعیف ہوں بحرِ عطا ہے تُو
توبہ ہی اے خدا تری بخشش کا راز ہے
مجھ کو یقین ہے کہ درِ توبہ باز ہے
کافی سزا ملی دلِ پُر اشتباہ کو
اے بے نیاز بخش دے میرے گناہ کو

رحمت یہ کہتے کہتے ہی سجدہ میں گر گیا
خلدِ بریں کا نقشہ نگاہوں میں پھر گیا
پھر اس کے سامعین بھی مسجود ہو گئے
حاضر حضورِ حضرتِ معبود ہو گئے
پھر یک بیک مکان کی چھت میں ہوا شگاف
روئے فلک زمیں سے نظر آ رہا ہے صاف
دریائے نور بہنے لگا آسمان سے
ملحق ہوئیں مکاں کی حدیں لامکان سے
اللہ واللہ اس کے کرم کا یہ انکشاف
توبہ ہوئی قبول خطا ہو گئی معاف
قدرت سے اس کو پھر پر پرواز مل گئے
زخمِ گناہ سوزنِ رحمت سے سل گئے

رحمت فرشتہ بن کے فرشتوں میں مِل گیا
ٹوٹا ہوا ستارہ ستاروں میں مِل گیا

تمّت بالخیر

فقیر خلیل دہلوی خوشنویس تحریر نمود

صبح نشاط

جناب خان اصغر حسین خان صاحب نظیر لدھیانوی کا مجموعہ کلام

جسمیں ملت بیضا کی شوکت و عظمت کے روح افزا مناظر، عہد حاضرہ کی سیاست اور عصر نو کی ایجادات کی تصاویر، دلکش پیرائے میں کھینچی گئی ہیں۔ یہ کتاب حقیقت و معرفت اور علم و عرفان کا خزینہ ہے یا مناظر قدرت اور نظارہ ہائے فطرت کا دلکش مرقع، ہر شعر عشق رسالت اور حب اہل بیت میں ڈوبا ہوا ہے۔ ترنم و موسیقی کا تسکین ریز جام ہے۔ اس مجموعہ کی ہر عاشقانہ غزل پر آپ تڑپ اٹھینگے۔ اور ہر نظم آپکے سامنے اسلامی وقار کی تصویر کھینچ دیگی۔ ملک کے مقتدر اصحاب اور اخبارات نے نہایت دلکش انداز میں اس عصر حاضرہ کی بہترین کتاب کا خیر مقدم کیا ہے۔ چار سو صفحات قیمت صرف تین روپیہ

ملنے کا پتہ:۔ مزمل حسین خان اینڈ برادرز لدھیانہ پنجاب

مطلع انوار

جناب شیخ خورشید انور جیلانی، بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی مصنف اسرار کائنات کی روح پرور غزلوں اور نظموں کا مجموعہ ہے جسمیں عشق و محبت میں ڈوبی ہوئی نظمیں اور روح پرور غزلیں موجود ہیں۔ یہ کتاب امید و یاس، ناکامی و کامگاری، فراق و وصال کا دلکش مرقع ہے۔ ہر غزل ایسی کہ آپ گنگنانے پر مجبور ہو جائیں، ہر نظم ایسی کہ آپ دل تھام لیں۔ ہر شعر نفسیات انسانی سے لبریز اور ہر نقطہ مجاز و حقیقت اور کیف سرمدی سے معمور۔ مطلع انوار درحقیقت وجد آفریں نغمات کا مجموعہ ہے جس میں بندہ و معبود، ایمان و کفر، حسن و محبت کے مشکل سے مشکل مسائل کو آسان ترین الفاظ اور دلکش پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ ہر شعر میں شاعر کا دل اور روح موجود ہے۔ اسلام اور اسکی عظمت و شوکت کے ترانے آپ بیہوش ہوئے بغیر نہ رہینگے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اس کتاب کو صرف ایک بار پڑھنے سے اس کے بیشمار اشعار آپکی زبان پر چڑھ جائینگے۔ اس کے بغیر آپ کا کتب خانہ نامکمل ہے۔

تعداد اشعار تقریباً دو ہزار، کتابت و طباعت دیدہ زیب، قیمت صرف دو روپیہ (زیر اشاعت)

ملنے کا پتہ:۔ اردو بک ڈپو فیروز پور شہر پنجاب

گیلانی پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام محمد حیات خاں پرنٹر و پبلشر چھپکر اردو بک ڈپو فیروز پور شہر سے شائع کیا۔

4/38